پندرہ روزہ

جلد نمبر96: 12 ذیقعد تا 12 ذی الحجہ 1430 ہجری یکم تا 30 نومبر 2009ء شمارہ نمبر 21-22

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

نماز اور حج عبودیت اور محبت الٰہی کے دو رنگ ہیں

عبادت کے دو حصے تھے۔ایک وہ جو انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے، جو ڈرنے کا حق ہے۔خدا تعالےٰ کا خوف انسان کو پاکیزگی کے چشمہ کی طرف لے جاتا ہے اور اس کی روح گداز ہو کر الوہیت کی طرف بہتی ہے اور عبودیت کا حقیقی رنگ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔دوسرا حصہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان خدا سے محبت کرے جو محبت کرنے کا حق ہے۔اسی لئے فرمایا ہے۔والذین امنوا اشد حباً للّٰہ۔(165:2) اور دنیا کی ساری محبتوں کو غیر فانی اور آنی سمجھ کر حقیقی محبوب اللہ تعالےٰ ہی کو قرار دیا جاوے۔یہ دو حق ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی نسبت انسان سے مانگتا ہے۔ ان دونوں قسم کے حقوق کے ادا کرنے کے لئے یُوں تو ہر قسم کی عبادت اپنے اندر ایک رنگ رکھتی ہے مگر اسلام نے دو مخصوص صورتیں عبادت کی اس کے لئے مقرر کی ہوئی ہیں۔

خوف اور محبت دو ایسی چیزیں ہیں کہ بظاہر ان کا جمع ہونا بھی محال نظر آتا ہے کہ ایک شخص جس سے خوف کرے اس سے محبت کیوں کر کرسکتا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت ایک الگ رنگ رکھتی ہے۔جس قدر انسان خدا کے خوف میں ترقی کرے گا۔اسی قدر محبت زیادہ ہوتی جاوے گی۔جس قدر محبت الٰہی میں ترقی کرے گا۔اسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف غالب ہو کر بدیوں اور برائیوں سے نفرت دلا کر پاکیزگی کی طرف لے جائے گا۔

پس اسلام نے ان دونوں حقوق کو پورا کرنے کے لئے ایک صورت نماز کی رکھی جس میں خدا کے خوف کا پہلو رکھا ہے۔اور محبت کی حالت کے اظہار کے لئے حج رکھا ہے۔خوف کے جس قدر ارکان ہیں وہ نماز کے ارکان سے بخوبی واضح ہے۔کہ کس قدر تذلل اور اقرار عبودیت اس میں موجود ہے۔اور حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں۔بعض وقت شدت محبت میں کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی۔عشق بھی ایک جنون ہوتا ہے۔کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا...۔غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبت کے لباس میں ہوتا ہے۔وہ حج میں موجود ہے۔سر منڈایا جاتا ہے۔دوڑتے ہیں۔محبت کا بوسہ رہ گیا وہ بھی ہے۔جو خدا کی ساری شریعتوں میں تصویری زبان میں چلا آیا ہے۔ پھر قربانی میں بھی کمال عشق دکھایا ہے۔اسلام نے پورے طور پر ان حقوق کی تکمیل کی تعلیم دی ہے۔(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۳ پرچہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۲ء)

پیغام عید الاضحیٰ

حضرت امیر ڈاکٹر عبد الکریم سعید ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (162) لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (6:163)

ترجمہ: کہہ، میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا، اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

عید الاضحیٰ کا نام زبان پہ آتے ہی لاکھوں حاجیوں کا خانہ کعبہ کا طواف عبادت اور گناہوں کی معافی کے لئے آہ وزاری اور جانوروں کی قربانی کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ یہ تصور ایک تاریخی پس منظر اور توحید کا بے نظیر عملی مظاہرہ کا سماں پیش کرتا ہے مگر یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ حج اور عید الاضحیٰ کی تقریب ایک ظاہری علامت ہے۔ اس روحانی تربیت کا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی سنت کو رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ قیامت تک قائم کیا حج کی اصلی روح اور مقصد قرآن کی اُن آیات سے واضح ہے جو میں نے اوپر بیان کی ہیں۔ یہ آیات نہ صرف حاجیوں کیلئے رہنمائی، روحانی پاکیزگی اور انسانی برابری کو پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں کہ وہ کیسے حج کی روح پا سکتے ہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے زندگی کو بامقصد بنانے کی نشان دہی بھی کرتی ہیں اور اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے بنیاد بھی فراہم کرتی ہیں۔ عبادت گذاری، اللہ کے احکام کی تعمیل اور انسان کی اخلاقی اصلاح کے لیے قربانی کا جذبہ ہی تھا جس کے تحت حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ اس اللہ کی عبادت گاہ کی تعمیر کرنے کے مقصد کو قرآن مجید خلاصۃً ان الفاظ میں بیان کرتا ہے

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (2:125)

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو حکم دیا کہ میرے گھر کو پاک کر دو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنیوالوں (کے لیے)

اگر زندگی ان آیات کی روشنی میں بسر کی جائے تو انسان میں وہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اُس کا اپنے خالق حقیقی سے رشتہ مستحکم تر ہو جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے کی قوت اور اندرونی پاکیزگی سے وہ تقویٰ کے اُس مقام کو حاصل کر لیتا ہے جس کی طرف قرآن مجید بار بار ہماری توجہ دلاتا ہے اور اُسی کو کامیاب زندگی کے لیے زادِ راہ قرار دیتا ہے۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ (2:197)

ترجمہ: زاد (راہ) لے لیا کرو البتہ بہترین توشہ تقویٰ ہے اور اے عقل والو میرا تقویٰ اختیار کرو۔

ہم میں اکثر اب تک بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے حج کا فریضہ ادا نہیں کر سکے لیکن اگر ہم اپنے اندر حج کی روح کو اپنے باطن میں اللہ پر کامل یقین اور اُس کے احکامات کی فرمانبرداری کے لیے مشکلات اور قربانی کا جذبہ پیدا کر لیں تو ہم نے ایک رنگ میں حج کی روح کو پالیا۔ اس روحانی اجتماع کے ذریعہ روحانی ترقی کی منازل طے کرنے کا راستہ اختیار کیا۔ پس حج کی حقیقی روح یہ ہے کہ ہم پورے خلوص نیت اور کامل جذبہ ایمانی سے اللہ کی فرمانبرداری اختیار کر لیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور پھر رسول الکریم ﷺ نے کی۔ اگر ہم

اپنی زندگی کو اپنے رب کی رضا میں گزاریں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اور دیگر انبیاء کرام نے گذاری۔ اگر ہم اپنے اندر سے شرک کے بت کو توڑ ڈالیں جو ہمیں اللہ کی یاد سے غافل کرتا ہے اور ہم اپنی زندگیاں اللہ کی رضا میں گزارنے کا پختہ عزم کر لیں تو ہمیں روحانی برکات اللہ کے فضل سے ضرور حاصل ہوں گی جس کی آخری منزل فریضہ حج ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور رسول اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو خوش نصیب حج کا فریضہ ادا کر رہے ہیں وہ یہ ارادہ لے کر گھروں کو واپس لوٹیں کہ وہ جذبہ ایمانی اور اللہ کی قربت کے مواقع جو انہیں حج کے دروان نصیب ہوئے ہیں اُن کو دلوں میں اجاگر رکھنے کا مضبوط ارادہ کرلیں۔ اور باہمی محبت اور اخلاص کا سبق جو انہوں نے دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں کے لوگوں کے اجتماع سے حج کے دوران سیکھا اس کو زندگی کا چلن بنائے اور دنیا کو امن، رواداری اور باہمی محبت اور مودت کو رواج دینے کا ذریعہ بنے تا کہ آپ کی آنے والی نسلیں امن وسکون کی زندگی گذار سکیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ حج اور عیدالاضحیٰ کی برکات سے یہ دنیا (جو ہم سب کا گھر ہے) امن کا گہوارہ بن جائے۔ آمین

☆☆☆

دعوت شرکت دعائیہ 2009ء

تمام احباب وخواتین جماعت کو مطلع کیا جاتا ہے کہ امسال مرکزی انجمن نے سالانہ دعائیہ کی تاریخیں 24 تا 28 دسمبر 2009 مقرر کی ہیں۔

آپ سے درخواست ہیں کہ دعائیہ میں شرکت فرمائیں اور غیر از جماعت احباب وخواتین کو بھی اس میں شامل ہونے کی دعوت دیں، اپنے گرم بستر ساتھ لائیں اور جلد از جلد دفتر انجمن کو اطلاع دیں کہ آپ کب اور کتنے افراد کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں تا کہ آپ سب کے لئے قیام وطعام کا بندوبست کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں انچارج دعائیہ عادل افضل صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری سے رابطہ قائم کریں۔

عامر عزیز

جنرل سیکرٹری (احمدیہ انجمن لاہور)

اپیل دستکاری

سالانہ دعائیہ کے موقع پر ہر سال خواتین خصوصی اجلاس یں مختلف موضوعات پر تقاریر کے علاوہ نہایت خوبصورت ستکاری بھی پیش کرتی ہیں۔ گذشتہ سال دستکاری کی نہایت کامیاب، قابل تحسین اور قابل فخر کامیابی صرف اور صرف آپ کے تعاون اور محنت سے ممکن ہوئی۔

آپ سے درخواست ہے کہ دستکاری کی نمائش میں حصہ لینے کی تیاری ابھی سے شروع کردیں اور دوسری بہنوں کو بھی ترغیب دلائیں۔ آپ کی یہ چھوٹی سی انفرادی کوشش جماعت کے عظیم کاموں میں آپ کو حصہ دار بنا دیتی ہے۔ امید ہے کہ اس سال بھی دستکاری کی نمائش اور آمدنی مزید بہتر ہوگی۔

آپ کی تجاویز کی منتظر

بشریٰ علوی

سیکرٹری۔ دستکاری خواتین

اپیل برائے دعائیہ فنڈ 2009ء

حضرت مجدّد صد چہار دہم مہدی معہود و مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے جماعت کو کئی خصوصیات سے نوازا ہے ان میں سے ایک سالانہ دعائیہ کا انعقاد ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جو ہماری اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے اس دعائیہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ ہر شریک کو دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اس کی معلومات وسیع ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی معرفت میں ترقی ہو اور اس کے علاوہ معاشرتی فوائد بھی حاصل ہوں یہ سب صرف مل بیٹھ کر تبادلہ خیالات سے ہی پورے ہو سکتے ہیں اسی لئے تمام احباب وخواتین جماعت کی شمولیت اس میں بے حد ضروری ہے موجودہ دور میں افراط زر کی وجہ سے ہر چیز کی قیمت چار پانچ گنا بڑھ گئی ہے ہر فرد کے لئے معاشی اور معاشرتی مشکلات پیدا ہوگئی ہیں اشاعت قرآن کے ذرائع بھی مزید اخراجات کے متقاضی ہیں اس لئے تمام صاحب ثروت حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اس مرتبہ دل کھول کر سالانہ دعائیہ لے فنڈ میں حصہ لیں اور اپنی روایات کو قائم رکھیں۔

☆☆☆

کیا عیدالاضحیٰ کی قربانی کا بدل نقد روپیہ ہو سکتا ہے؟

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری

(''طلوح اسلام'' میں جو سوال اور اس کا جواب دیا گیا اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن مصری صاحب نے اس جواب کے بارے میں جو تبصرہ لکھا قائین کی دلچسپی کے لئے اسے قسط وار شائع کیا جارہا ہے۔ ادارہ)

جانوروں کی قربانی کی بجائے نقد روپیہ دینا ؟

ایک غلط اور خلاف شریعت رَو آج کل بعض نوتعلیم یافتہ حلقوں کی طرف سے جارہی ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر جانوروں کی قربانی جو کی جاتی ہے اسے بند کیا جائے اس میں روپیہ کا ضیاع ہے اور اس کی بجائے اگر حکومت کو نقد روپیہ دے دیا جائے تو حکومت بہت سے رفاہ عامہ کے کام سرانجام دے سکتی ہے۔ اس رَو کو چلانے کے لیے پرویزی مکتب فکر سب سے پیش پیش ہے۔ چنانچہ کافی عرصہ ان کے رسالہ ''طلوع اسلام'' میں اسی موضوع پر ایک مصری ''ماہتامہ اسلام'' سے ایک مضمون کا ترجمہ نقل کیا گیا تھا جو ایک سائل کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی یہ رَو جاری ہے۔ پرویز صاحب نے یہ مضمون ۱۹۶۴ء میں شائع کیا تھا جس کا جواب اسی وقت میں نے رسالہ ''روح اسلام'' میں شائع کر دیا تھا۔

سوال: زید قربانی کا منکر ہے بارہا اس نے اپنے منہ سے یہ الفاظ نکالے ہیں کہ ہر سال جتنے جانور ذبح کیے جاتے ہیں اگر ان کی قیمت حکومت کے حوالہ کر دی جائے تو وہ اس سے سینکڑوں رفاہ عامہ کے کام کر سکتی ہے بلکہ وہ علے الاعلان کہتا ہے کہ اس طرح اُمت مسلمہ کو ہر سال لاکھوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے اگر یہ رقم کسی اچھے مصرف میں لگائی جاتی تو بہتر ہوتا؟ براہِ کرام جواب مفصّل دیجئے۔''

جواب کا خلاصہ: ''خلاصہ مباحث'' مندرجہ ذیل الفاظ میں دیا ہے:

''(۱) قرآن حکیم میں کہیں بھی قربانی کا حکم نہیں دیا گیا (۲) کوئی صحیح حدیث قربانی کے وجود پر دلالت نہیں کرتی (۳) صحابہ کرامؓ اس کو واجب نہیں سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ خصوصیّت سے قربانی نہیں کرتے تھے۔ پس اگر وہ روایات صحیح ہوتیں جن میں قربانی کو ضروری قرار دیا گیا ہے تو یہ حضرات کبھی ایسا نہ کرتے (۴) جمہور آئمہ اسے ضروری خیال نہیں کرتے (۵) صرف امام اعظم ابوحنیفہ اسے واجب سمجھتے ہیں۔''

مندرجہ بالا نتائج میں پہلے چار نتائج جیسا کہ میں آگے چل کر ثابت کروں گا یا تو بالکل غلط ہیں یا ان میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اور پانچواں نتیجہ بھی ادھورا پیش کیا گیا ہے۔

ان دوستوں سے ایک سوال

پیشتر اس کے کہ میں جناب علامہ عیاض العقاد صاحب اور ان کے ہمنوا جناب پرویز صاحب کے پیش کردہ اس نتیجہ کی غلطی کی تصحیح کروں ان صاحبان سے یہ دریافت کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ آپ نے سارا زور اس بات کو ثابت کرنے پر صرف کیا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر مختلف ممالک میں مسلمان جو جانوروں کی قربانی کرتے ہیں اس کا حکم نہ قرآن کریم میں ہے نہ احادیث سے اس کا وجود ثابت ہوتا ہے نہ صحابہ کرامؓ اسے واجب سمجھتے تھے نہ جمور آئمہ اسے ضروری خیال کرتے تھے۔ تو بتلائیے اس صورت میں آپ مسلمانوں سے یہ مطالبہ کس بناء پر کرتے ہیں کہ وہ قربانی کی بجائے نقد قیمت حکومت کو دے دیا کریں۔ قیمت وہ کس چیز کی دیں کیا اس چیز کی جو ان پر واجب ہی نہیں۔ نقد روپیہ کا مطالبہ کرنے کے بجائے آپ کو تو اپنے عقیدہ کی رُو سے مسلمانوں میں یہ مہم چلانی چاہیے

کہ قربانی بالکل بند کردینی چاہیئے اگر آپ ترک کر دیں گے تو آپ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور نہ آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت ہوگی جیسا کہ آپ نے رسالہ کے صفحہ ۲۰ پر لکھا ہے:

''آئمہ ثلاثہ یعنی امام مالک۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اسے سنّت مؤکدہ قرار دیتے ہیں مگر وہ بھی ایسی کہ کرنے والے کو ثواب ملے گا اور تارک پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔''

پھر صفحہ ۲۲ پر آپ لکھتے ہیں: ''جو شخص نیک نیّتی سے قربانی نہیں کرنا چاہتا اس پر نہ کوئی عتاب ہے نہ شرعی قباحت۔'' اب جب کہ نہ گرفت نہ عتاب نہ شرعی قباحت تو روپیہ پھر کیوں دیا جائے۔

ثواب ملنے کے احتمال کا جواب

اگر آپ کہیں کہ ہم قربانی کے بند کرنے کی مہم اس لیے نہیں چلاتے کہ قربانی سے ثواب ملنے کا تو کم از کم احتمال ہے۔ سو اس کے جواب میں آپ پر واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کے ثواب کو حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بڑھ کر کوئی حریص نہ تھا۔ آپ نے احادیث میں پڑھا ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کس طرح حضرت نبی کریم صلعم سے ایسے ہی اعمال کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے جس کے بجالانے سے ان کو خدا کی رضا حاصل ہو۔ پس اگر قربانی بھی ترک نہ کرتے خواہ ان کے نزدیک یہ قربانی واجب نہ بھی ہوتی اس کا موجب ثواب ہونا ہی ان کے لیے اس کو بجالانے کا کافی محرک ہوسکتا تھا۔ لیکن آپ نے تو چھ جلیل القدر صحابہؓ کے نام اس مضمون میں درج کیے ہیں جو عیدالاضحیٰ کے موقع پر نہ تو جانور کی قربانی کرتے تھے اور نہ ہی اس کی جگہ نقد روپیہ حکومت کو دیتے تھے جیسا کہ آپ اس وقت تجویز کر رہے ہیں اور ان صحابہ کے نام حسب ذیل ہیں: (۱) حضرت ابوبکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت ابن عباسؓ (۴) حضرت ابن عمرؓ (۵) حضرت مسعود انصاری اور (۶) حضرت بلالؓ۔

صحابی کی اقتداء ہدایت کا ذریعہ ہے

محترم! آپ کے علم میں یہ حدیث بھی ضرور آئی ہوگی **صحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم** کہ میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں جو بھی کسی ستارے کی رہنمائی حاصل کرے گا وہ ہدایت پائے گا۔ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے اگر آج کے مسلمان مندرجہ بالا جلیل القدر صحابہؓ کی اقتداء میں جانوروں کی قربانی کرنا ترک کریں اور ساتھ ہی اس کے عوض نقد روپیہ بھی ادا نہ کریں۔ کیونکہ ان جلیل القدر صحابہؓ نے کوئی نقد روپیہ بھی ادا نہیں کیا تھا تو کیا وہ زیر الزام آسکتے ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر ان جلیل القدر صحابہؓ کو ثواب کی خواہش نہیں تھی اور نہ اس کے حصول کے لیے انہوں نے کوشش کی یعنی نقد روپیہ دینے کے ذریعہ۔ تو ہم بھی ان کی اقتداء میں انہی کے طریق کو اختیار کرلیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ آپ کے بیان کردہ فتویٰ کی رو سے گرفت تو ہم پر ہو ہی نہیں سکتی۔ باقی رہا ثواب! سو اگر ان جلیل القدر صحابہؓ کو اس کی ضرورت نہ تھی تو ہمیں کیوں اس کے لیے مجبور کیا جاتا ہے اور کیوں ایک ایسی چیز کے عوض ہم سے روپیہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے جس کے متعلق نہ قرآن میں حکم نہ حدیث میں حکم نہ آئمہ کے نزدیک ضروری۔

ایک قول کو سپر بنانے کی ناکام کوشش

یاد رہے کہ آپ نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کی فرضیّت صرف حضرت نبی کریم صلعم کے ساتھ مخصوص تھی۔ دوسرے مسلمانوں کے متعلق آپ کے نزدیک آنحضور صلعم نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ اے مسلمانو! تم پر یہ قربانی نہیں۔ یہ قربانی صرف مجھ پر ہی فرض ہے۔ اس قسم کی احادیث کی پناہ آپ نے صرف اس لیے لی ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کا عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر مدینہ میں قربانی کرنا ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کا آپ انکار کر سکتے ہی نہیں لیکن اس قسم کی احادیث میں بھی آپ کو پناہ نہیں مل سکتی جیسا کہ آپ پر عنقریب واضح ہو جائے گا۔

حقائق کو مسخ کرنے کی مثالیں

دینی مسائل کو بیان کرتے وقت دیانتداری اور تقویٰ کو لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عقاد صاحب کے مضمون میں ان دونوں ضروری امور کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے جیسا کہ قارئین کرام پر مثالوں سے واضح ہو جائے گا۔

پہلی مثال۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ دونوں بزرگ قربانی نہیں کرتے تھے۔ وجہ اس کی یہ بتلائی گئی ہے کہ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں انہیں دیکھنے والے قربانی کو ضروری نہ سمجھ لیں۔ ان دونوں بزرگوں کے قربانی نہ کرنے کے متعلق جو الفاظ آئے ہیں وہ ذیل میں لکھ دیتا ہوں تا کہ قارئین کرام پر واضح ہو جائے کہ ان کو پیش کرنے میں کہاں تک دیانتداری سے کام لیا گیا ہے۔ فقہ کی کتاب ہدایہ میں ہے: **وقال لیس علی الفقیر والمسافر اضحیة لما بینا وابوبکر وعمر کانا لا یضحیان اذا کانا سافرین وعن علیؓ لیس علی المسافر جمعة ولا اضحیة** یعنی غریب آدمی اور مسافر پر قربانی نہیں وجہ اس کی ہم نے اوپر بیان کردی ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ قربانی نہیں کیا کرتے تھے جب وہ سفر میں ہوتے تھے وجہ اس کی ہم نے اوپر بیان کردی ہے اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے اور نہ قربانی فرض ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت اور فقہاء کے مذہب سے واضح ہے کہ مسافر پر قربانی فرض نہیں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ صرف سفر کی حالت میں قربانی نہیں کیا کرتے تھے اس اندیشہ سے کہ کہیں لوگ سفر میں بھی اسے فرض نہ سمجھ لیں نہ یہ کہ یہ دونوں بزرگ مطلق قربانی ہی نہ کرتے تھے۔ سفر کی حالت کی قید کو حذف کر کے مطلق قربانی کیا ہی نہ کرتے تھے کو پیش کرنا کیا صریح طور پر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے اور اصل واقعہ کو مسخ کرنے کی کوشش نہیں۔

روایت عقاد صاحب کے خیال کا بطلان ثابت کر رہی ہے

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ روایت بھی خود عقاد صاحب کے خیال کے برعکس قربانی کے وجوب کو ہی ثابت کر رہی ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ غریب اور مسافر کے لیے قربانی نہیں صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امیر اور مقیم پر فرض ہے اور جیسا کہ میں آگے چل کر ثابت کروں گا کہ احادیث اور بعض آئمہ کے اقوال میں بھی یہی مذہب بیان کیا گیا ہے۔

دوسری مثال: عقاد صاحب نے ان حدیثوں کو جو قربانی کو واجب قرار دیتی ہیں یہ کہہ کر ردّ کر دیا ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں فلاں راوی ضعیف ہے لیکن خود جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ قربانی کی فرضیّت حضرت نبی کریم صلعم کے ساتھ مخصوص ہے اس حدیث پر جو جرح کی گئی ہے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں ابولیلیٰ جابر راوی کے متعلق لکھا ہے **وھو ضعیف جدا** یعنی یہ بہت ہی کمزور راوی ہے بلکہ اس حدیث کے متعلق یہاں تک لکھا ہے **قد صرح الحافظ بان الحدیث ضعیف من جمیع طرقه** یعنی الحافظ نے صراحت کی ہے کہ یہ حدیث اپنے تمام طرق کے لحاظ سے کمزور ہے۔

دارقطنی کی حدیث: اس کے علاوہ دارقطنی نے جو تین چیزیں نبی کریم صلعم کے ساتھ مخصوص بتلائی ہیں وہ وتر، چاشت کی دو رکعتیں اور تیسری چیز قربانی کی بجائے فجر کی دو رکعتیں بتلائی ہیں۔ اسی طرح بزار نے حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے **امرت برکتی الفجر والوتر ولیس علیکم** کہ مجھے فجر کی نماز اور وتر کی برکت کا حکم دیا گیا ہے اور یہ تم لوگوں پر نہیں۔ اسی طرح جس حدیث میں قربانی کا ذکر آیا ہے اس کی اسناد میں عبداللہ بن محرر نے اس کے متعلق بھی لکھا ہے **وھو متروك** کہ وہ ترک کرنے کے قابل ہے۔

اب قارئین کرام خود ہی انصاف سے فیصلہ کر لیں کہ جس حدیث کے مضمون میں بھی اختلاف ہو۔ راویوں پر بھی شدید جرح ہوئی ہو۔ کسی کو متروک کہا گیا ہو کسی کو ضعیف قرار دیا گیا ہو

بلکہ جتنے طریقوں سے بھی وہ روایت کی گئی ہے ان سب کو ہی ضعیف ٹھہرایا گیا ہو۔ اس حدیث سے عقاد صاحب استدلال کریں کہ قربانی کا فرض ہونا حضرت نبی کریم صلعم کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے یہ کہ وہ مسلمانوں پر فرض نہیں ہے لیکن دوسری ان تمام حدیثوں کو جو دوسرے مسلمانوں پر بھی قربانی کو فرض قرار دے رہی ہیں محض اس بناء پر ردّ کریں کہ ان کے کسی راوی کو بعض نے ضعیف کہا ہے کیا دیانت داری اسی کا نام ہے۔

فرضیت پر دلالت کرنے والی احادیث پر مفصل بحث تو انشاء اللہ بعد میں آئے گی۔ سردست ان کے متعلق محدثین کی رائے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ابن ماجہ نے اس حدیث کو ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری نماز گاہ میں حاضر نہ ہو۔ اس حدیث کے ایک راوی کو ضعیف قرار دے کر عقاد صاحب نے اس حدیث کو ساقط الاعتبار ٹھہرا دیا ہے حالانکہ اس کے متعلق عینی شارح بخاری نے لکھا ہے **اخرج الحاکم وقال صحیح الاسناد۔**

تیسری مثال: عقاد صاحب نے کسی کی روایت پر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو مسعود انصاری اور حضرت بلالؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ قربانی کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔ جن لوگوں نے ان بزرگوں کے متعلق یہ روایت کی ہے اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے **لا حجة شئ من ذالك** اس قول کو پوشیدہ رکھنا کہاں کی دیانت داری ہے۔

چوتھی مثال: عقاد صاحب نے لکھا ہے کہ صرف امام ابوحنیفہ ہی قربانی کو واجب قرار دیتے تھے حالانکہ ان کے ساتھ کئی اور عالم بھی اسے واجب قرار دینے میں متفق ہیں۔ چنانچہ نیل الاوطار جلد۴ صفحہ۳۴۲ پر لکھا ہے: **قال ربیعة والاوزاعی وابو حنیفة واللیث وبعض المالکیة انها واجبة علی الموسر** یعنی یہ سب بزرگ مالدار پر اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح فقہ کی کتاب الہدایۃ جلد۴، صفحہ ۴۲۷ پر لکھا ہے۔ **اما الوجوب فقول ابی حنیفة ومحمّد وزفر والحسن واحدی الروائیتین عن ابی یوسف رحمهم اللّٰه** گو ابو یوسف کی دوسری روایت اس کے سنت ہونے کے متعلق بھی ہے اور وجوب کے متعلق بحث بعد میں کی جائے گی۔ سردست اتنا بتلانا ہی مقصود ہے کہ امام ابوحنیفہ کے ساتھ اور بھی بزرگ ہیں جو قربانی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ لیکن عقاد صاحب نے ان کے ناموں کا ذکر کرنا خدا جانے کس مصلحت سے مناسب نہیں سمجھا۔ عقاد صاحب کا یہ پانچواں نتیجہ تھا جسے میں ادھورا بتلا چکا ہوں اور مندرجہ بالا اقوال سے ثابت ہے کہ عقاد صاحب نے صرف امام ابوحنیفہ تک ہی اس خیال کو محدود کیا ہے۔ یہ حقیقت کو ادھورے طور پر پیش کرنے کے ہی مترادف ہے۔

پانچویں مثال: عقاد صاحب نے زیر عنوان قربانی کے متعلق ''بعض دیگر روایات'' لکھا ہے۔ ابو رافع سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے عید الاضحیٰ کے روز ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا کہ میرے خدا یہ میری ساری امت کی طرف سے ہے جس نے توحید و رسالت کی گواہی دی۔ پھر دوسرے مینڈھے کو ذبح کیا اور فرمایا میرے اللہ یہ محمدؐ اور آل محمدؐ کی طرف سے ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس نے بنو ہاشم میں سے کسی کو قربانی کرتے نہیں دیکھا۔

عقاد صاحب کا اس روایت کے ذکر سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بنو ہاشم نے قربانی کرنا ترک کر دیا اسی طرح ساری اُمت کو بھی اسے ترک کر دینا چاہیئے کیونکہ جس طرح بنو ہاشم کی طرف سے حضرت نبی کریم صلعم نے قربانی کر دی اسی طرح ساری اُمت کی طرف سے بھی آنحضور صلعم نے قربانی کر دی۔ عقاد صاحب یہ بھی ساتھ ہی بتلا دیں کہ کیا بنو ہاشم قربانی ترک کرنے کے بعد اس کے عوض نقد روپیہ دیا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کا قربانی کرنا

ترمذی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے عن **علیؓ انه کان یضحی بکبشین احدهما عن النبی صلعم والا خرعن نفسه**

فقیل لہ فقال الامرنی بہ یعنی النبی صلعم فلا ادعہ ابداً یعنی حضرت علیؓ دو مینڈھے ذبح کیا کرتے تھے ایک حضرت نبی کریم صلعم کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے۔ اس کے متعلق جب آپؓ سے دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلعم نے مجھے اس کا حکم دیا ہے اور میں اس کو کبھی بھی ترک نہیں کروں گا۔ شاید عقاد صاحب کے راوی کے نزدیک حضرت علیؓ بنو ہاشم میں سے نہ تھے۔ نا معلوم عقاد صاحب نے اس روایت کو کیوں نظر انداز کر دیا۔ عقاد صاحب کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے اُمت کی طرف سے جو قربانی دی وہ صرف ان اُمتیوں کی طرف سے دی جو قربانی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ ترمذی کے الفاظ میں اس کی وضاحت موجود ہے جو یہ ہے کہ ان النّبی صلعم ضحّی بکبش فقال ھذا عمن لم یضح من اُمتی یعنی میری اُمت میں سے جن لوگوں نے قربانی نہیں کی اس مینڈھے کی یہ قربانی میں اُن کی طرف سے کرتا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ قربانی اُمت کے انہیں افراد نے نہ کی ہوگی جو اس کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُمت کے بعض افراد نے قربانی کی تھی اور بعض نے نہیں کی تھی۔ یہ نہیں کہ سب نے ہی نہ کی تھی اگر سب نے نہ کی ہوتی تو آنحضرت صلعم بجائے لم یضحّ من امتی کہنے کی بجائے صرف عن اُمتی کہتے۔

اس جگہ میں عقاد صاحب سے یہ بھی دریافت کرتا ہوں کہ اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ان کے نزدیک اس خوف سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں تو حضرت علیؓ کے عمل سے کیا وہ ایسا نہیں سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ بھی تو خلفاء راشدین میں سے ہی تھے اور دین کے مسائل سمجھنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی شان میں تو حضرت نبی کریم صلعم کے مندرجہ ذیل الفاظ بھی مدنظر رکھیں انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ کہ میںؐ علم کا شہر اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔

اُمت کی طرف سے قربانی کرنے کا مفہوم

اگر ساری اُمت بھی مراد لی جائے تو اس کے متعلق بھی علماء کرام کی تشریح سن لیجئے ان النّبی صلعم ارادا شتراك جمیع امتہ فی الثواب تفضلا منہ علیٰ امتہ یعنی آنحضور صلعم نے اُمت کو قربانی کے ثواب میں شریک کرنے کے لیے ایسا نہیں کیا تھا اور یہ مہربانی اور شفقت اور محبت کا اظہار تھا جو آنحضور صلعم کو اپنی اُمت کے افراد کے ساتھ تھی نہ اس لیے کہ اُمت سے قربانی کو ہمیشہ کے لیے ساقط کر دیں۔

چھٹی مثال: یہ مثال تو حقیقت کو مسخ کرنے کی بدترین مثال ہے جسے عقاد صاحب نے اپنے مضمون کے بالکل آخر میں فقہ کی کتاب ھدایہ جلد چہارم کے حوالہ سے لکھی ہے: ''صاحب ہدایہ قربانی کرنے کو اس کی قیمت خیرات کرنے سے افضل سمجھتے تھے''۔ ہدایہ کی طرف یہ فقرہ منسوب کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں'' اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بھی یعنی صاحب ہدایہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قیمت ادا کرنے سے قربانی ہو جاتی ہے چنانچہ ان کا قول ہے'' قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا جانور کی قیمت خیرات کر دینے سے افضل ہے۔''

ھدایہ کا اصل مفہوم

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عقاد صاحب نے جو کچھ ہدایہ کی طرف منسوب کیا ہے وہ بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے اور اس کے پیش کرنے میں ایسے بے جا تصرف سے کام لیا ہے جو ایک محقق کی شان سے بالکل ہی بعید ہے۔ صاحب ہدایہ نے تو صرف یہ لکھا ہے کہ جس مالدار پر قربانی فرض ہے اور وہ سستی یا کسی اور وجہ سے قربانی کے مقررہ ایاّم میں قربانی نہیں کر سکا اس پر صدقہ واجب ہے تاکہ وہ اس فرض سے سبکدوش ہو سکے۔ اپنے اس مقصد کو صاحب ہدایہ نے اس مثال سے واضح کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں جس شخص سے جمعہ کی نماز فوت ہو جائے وہ ظہر کی نماز کے ذریعہ اس کی تلافی کرلے۔ بہر حال اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ صدقہ قربانی کے

برابر نہیں افضلیت قربانی کو ہی حاصل ہے جس طرح جمعہ کی نماز کو ہی افضلیت حاصل ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد

قربانی کے متعلق

مندرجہ بالا مثالوں کو بیان کرنے کے بعد میں اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم اور احادیث صحیح کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے۔ عقاد صاحب نے لکھا ہے قرآن کریم میں کہیں بھی قربانی کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس بارے میں مفسرین نے جن آیتوں سے استدلال کیا ان میں سے عقاد صاحب نے سورۃ الانعام ۲۰۶ کی مندرجہ ذیل آیت نقل کی ہے: قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین (یاد رہے کہ عقاد صاحب نے آیت کو اس کے سیاق سباق سے کاٹ کر پیش کیا۔ (ناقل)۔ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں نسک سے قربانی مراد لی جاتی ہے۔ آیئے نسک کا فیصلہ آئمہ لغت سے کرائیں۔ علامہ لبنانی لکھتے ہیں اس مادہ کے اصل معانی دھوکہ سے پاک صاف کرنا ہیں اس کے بعد یہ ہر اس امر کے لیے استعمال ہونے لگا جو خدا کی طرف سے واجب قرار پایا ہو۔ اسی لیے مناسک کا لفظ ان طور طریقوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو واجبات خداوندی کی ادائیگی کے لیے مقرر ہوئے ہیں۔ نسک یا نسیکہ ذبیحہ یا خون کے معنی میں بھی آتا ہے۔ نسک ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ خدا کا تقرب حاصل کیا جائے۔''

عقاد صاحب نے اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر تمام ممالک کے مسلمانوں کے لیے قربانی کا حکم قرآن کریم میں کہیں نہیں جو لغت کی پناہ لی ہے وہ پناہ انہیں کس طرح فائدہ دے سکتی ہے۔ کیا مسلمان یہ مانتے ہیں کہ قربانی دلوں کو پاک کرنے اور قرب الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں؟ عقاد صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شریعت نے جن چار ارکان یعنی صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج پر قائم رہنے کا حکم مسلمانوں کو دیا ہے ان کے لغوی معنی کو نظرانداز نہیں کیا بلکہ ان کو قائم رکھتے ہوئے ان میں بعض اُمم میں جانوروں کی قربانی دینے کی غرض بھی دلوں کی پاکیزگی اور قرب الٰہی کو حاصل کرنا ہی بتلائی ہے جیسا کہ آیت کے الفاظ ولکن ینالہ التقوی منکم (۳۸) سے ظاہر ہے۔

☆☆☆

ماضی کے دریچے سے

حضرت اقدس مرزا صاحب اور ایک ہندو گرو کی گفتگو

یکم اگست 1899ء کو بعد از مغرب حضرت اقدس کی ملاقات کے لئے ایک ہندو سادھو صاحب جو اپنے طبقہ میں مشہور گرو ہیں تشریف لائے۔ حضرت اقدس جیسا آپ کا معمول ہے نہایت ملاطفت اور خندہ پیشانی سے پیش آئے اور باتیں کرتے رہے۔ آخر میں گرو جی کے ایک ایک سوال پر حضرت نے ایک بے نظیر تقریر فرمائی۔ چونکہ مغرب کا وقت تھا تاریکی پھیل رہی تھی۔ حسب معمول اس کو نوٹ نہ ہوسکا۔ لہذا اس ملاقات میں سے کچھ باتیں جو حافظہ کے نوٹ بک میں محفوظ ہوگئیں ان کو قلم بند کر کے اور اپنے محسن و مخدوم حضرت مولانا مولوی عبد الکریم سیالکوٹی ایدہ اللہ کی اصلاح سے ناظرین کی روحانی اور ایمانی ترقی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ پھر ہم اتنا کہے دیتے ہیں کہ یہ حضور کی گفتگو کا خلاصہ یا مفہوم ہے جس کو ہم نے الفاظ میں قلم بند کیا ہے۔

حضرت اقدس: آپ کے ہاں جوگ کا طریق سناتن دھرم کے اصول پر ہے یا آریہ سماج کے اصول پر۔

سادھو: سناتن دھرم کے موافق۔

حضرت اقدس: آریہ سماج ایک ایسا فرقہ ہے جس میں صرف کہنا ہے کرنا نہیں۔

سادھو: بیشک یہ لوگ گرو کی ضرورت نہیں سمجھتے اور یہاں تک کہ دیانند کو بھی گرو کی حیثیت سے نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک راہ بتا گیا ہے اس پر چلنا چاہیے۔

حضرت اقدس: آپ کے جوگ کے لئے بڑی بڑی مشقتیں ہیں۔

سادھو: جی ہاں۔

حضرت اقدس: اس مشقت کے بعد کیا کوئی ایسی قوت اور طاقت پید ہوجاتی ہے جس سے اس پریم کا پتہ لگ جاوے جو اس ریاضت کرنے والے کو خدا کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ محبت کا پتہ اور وجود اس وقت تک نہیں ملتا جب تک کہ دونوں طرف سے کامل محبت کا اظہار نہ ہو۔ ادھر سے محبت کے جوش میں ہر قسم کے دکھ اور تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو اور ادھر سے یعنی پرمیشر کی طرف ایسا پرکاش روشنی یا نور اس کو ملے کہ وہ عام طور پر لوگوں میں متمیز ہوجاوے۔

سادھو: ہاں کچھ بل اور طاقت آہی جاتا ہے۔

حضرت اقدس: بھلا کوئی ایسی طاقت اور بل کی بات آپ سنائیں جو آپ کی سنی ہوئی نہ ہو بلکہ دیکھی ہوئی ہو یعنی آپ کے گرو میں یا ان کے گرو میں۔ کیونکہ بات یہ ہے کہ سنی ہوئی بات کچھ ایسی موثر نہیں ہوتی خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو۔ قصے کہانی کے ذیل میں سمجھی جاتی ہے۔ جیسے مثلاً کوئی کہے کہ ایک دیش ہے وہاں آدمی اڑا کرتے ہیں اب ہم کو اسکے ماننے میں ضرور تامل ہوگا کیونکہ ہم نے نہ تو ایسے اڑتے دیکھے ہیں اور نہ خود اڑے ہیں پس قوت ایمان اور یقین کے بڑھانے کے لئے سنی سنائی باتیں فائدہ نہیں پہنچاتی ہیں بلکہ تازہ بتازہ جو سامنے دیکھی جاویں اور اس سے بھی بڑھ کر وہ جو خود انسان کی اپنی حالت پر وارد ہوں۔ پس میرے اس سوال سے یہ غرض ہے کہ آپ کوئی ایسی بات بتلائیں جو اس ریاضت کرنے والوں میں آپ نے دیکھی ہو یا سنی ہو۔

سادھو: ہاں ہمارے جو گرو تھے ان میں بعض بعض باتیں ایسی تھیں جو دوسرے کے من کی بات بوجھ لیتے تھے اور پھر جو منہ سے کہہ دیتے تھے ہوجاتا تھا۔ اور جو ان کے گرو تھے ان میں بھی بہت سی باتیں ایسی ہوتی تھیں مگر ان کو دیکھا نہیں تاہم دیکھنے کے برابر ہے کیونکہ ان کو مرے کوئی اسی برس کے قریب ہوئے اور ان کے دیکھنے والے ابھی موجود ہیں۔

حضرت اقدس: آپ نے بھی کوئی ریاضتیں کی تھیں۔

سادھو: جی ہاں میں نے بھی کی ہیں۔

حضرت اقدس: کیا کیا۔

سادھو: پہلے چلہ کشی کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آٹھ مہینے کا ایک ہی چلہ تھا۔

حضرت اقدس: اس میں کیا کھاتے تھے

سادھو: پہلے چاولوں کا آٹا کھایا کرتے تھے پھر صرف پانی جو پکا کر رکھا ہوا ہوتا۔ یعنی ایک گاگر کا نصف جب رہ جاوے تو وہ رکھ لیا کرتے تھے اور اس میں سے سیر کچا سب کو پی لیا کرتے تھے اور اس وقت پیشاب کر لیا کرتے تھے اور پھر کچھ نہیں (ناظرین اس مقام کو یاد رکھیں ایک لطیفہ سنائیں گے)

حضرت اقدس: کیا اس میں لوہا وغیرہ تو نہ ہوتا تھا؟

سادھو: نہیں۔

حضرت اقدس: پھر کیا اس ریاضت کی حالت میں آپ کو کچھ عجیب وغریب نظارے نظر آئے؟

سادھو: ہاں کبھی روشنی نظر آتی تھی جو اندر پیدا ہو جاتی تھی اور دور دور سے آتے جاتے آدمی نظر آجاتے تھے۔

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں قصبہ بکریاں کے متعلق جہاں سادھو صاحب رہتے تھے ہوتی رہیں اور کچھ باتیں سادھو صاحب کے ایک چودہ پندرہ سالہ چیلے اور ان کی گدّی وغیرہ کے متعلق ہوتی رہیں اور چند منٹ خاموشی رہی پھر اس مہر سکوت کو سادھو صاحب نے اپنے اس ایک سوال سے توڑا۔

سادھو: کیا آپ پرمیشر کو اکار مانتے ہیں یا سنا کار۔ (حضرت مولوی نور الدین صاحب نے اس موقع پر بطور تشریح عرض کیا کہ مورتی کے قابل یا ایسا خدا کہ مورتی کی ضرورت نہ ہو)۔

حضرت اقدس: ہم جس خدا کو مانتے ہیں اس کی عبادت اور پرستش کے لئے نہ تو ان مشقتوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے اور نہ کسی مورتی کی حاجت ہے۔ اور ہمارے مذہب میں خدا تعالیٰ کو خاص کرنے اور اس کی قدرت نمائیوں کے نظارے دیکھنے کے لئے ایسی تکالیف کے برداشت کرنے کی کچھ بھی حاجت نہیں کہ وہ اپنے سچے پریمی بھگتوں کو آسان طریق سے جو ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے بہت جلد ملتا ہے۔ انسان اگر اس کی طرف ایک قدم اٹھاتا ہے تو وہ دو قدم اٹھاتا ہے انسان اگر تیز چلتا ہے تو وہ دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔

میرے نزدیک مورتی بنانے والوں نے خدا تعالیٰ کی اس حکمت اور راز کو نہیں سمجھا جو اس نے اپنے آپ کو بظاہر ایک حالت غیب میں رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ کا غیب میں ہی ہونا انسان کے لئے تمام تلاش اور جستجو اور کل تحقیقاتوں کی راہوں کو کھولتا ہے۔ جس قدر علوم اور معارف انسان پر کھلے ہیں وہ گو موجود تھے اور ہیں لیکن ایک وقت میں وہ غیب میں تھے انسان کی سعی اور کوششیں کی قوت نے اپنی چمکار دکھائی اور گوہر مقصود کو پا لیا۔ جس طرح ہر ایک عاشق صادق ہوتا ہے اس کے محبوب اور معشوق کی غیر حاضری اور آنکھوں سے بظاہر دور ہونا اس کی محبت میں کچھ فرق نہیں ڈالتا۔ بلکہ وہ ظاہر ہجر اپنے اندر ایک قسم کی سوزش پیدا کر کے اس پریم سبھاؤ کو اور بھی ترقی دیتا ہے۔ اسی طرح یہ مورتی ہے کہ خدا کو تلاش کرنے والا کب سچی اور حقیقی محبت کا دعویدار بن سکتا ہے جب کہ مورتی بدون اس کی توجہ کامل طور پر اس پاک اور کامل حسن ہستی کی طرف نہیں پڑ سکتی۔ انسان اپنی محبت کا خود امتحان کرے اگر اس کو اس سوختہ دل عاشق کی طرح چلتے پھرتے بیٹھتے اٹھتے غرض ہر حالت میں بیداری کی ہو یا خواب کی اپنے محبوب کا ہی چہرہ نظر آتا ہے اور کامل توجہ اس طرف ہے تو سمجھ لے کہ واقعی مجھے خدا تعالیٰ سے ایک عشق ہے اور ضرور ضرور خدا تعالیٰ کا پرکاش اور پریم میرے اندر موجود ہے۔ لیکن اگر درمیانی امور اور خارجی بندھن اور رکاوٹیں اس توجہ کو پھیر سکتی ہیں اور ایک لحظہ کے لئے بھی وہ خیال اس کے دل سے نکل سکتا ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ کا عاشق نہیں اور اس سے محبت نہیں کرتا۔ اور اسی لئے وہ روشنی اور نور جو سچے عاشقوں کو ملتا ہے اسے نہیں ملتا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آکر اکثر لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور خدا کا انکار کر بیٹھے ہیں نادانوں نے اپنی محبت کا امتحان نہیں کیا اور اس کا وزن کئے بدون ہی خدا پر بدظن ہو گئے ہیں۔ پس میرے خیال میں خدا تعالیٰ کا غیب میں رہنا انسان کی سعادت اور رشد کو ترقی دینے کی خاطر ہے اور اس کی روحانی قوتوں کو صاف کر کے جلا دینے کے لئے تاکہ وہ نور اس میں پرکاش ہو۔ ہم جو بار بار اشتہار دیتے ہیں اور لوگوں کو تجربہ کے لئے بلاتے ہیں بعض لوگ ہم کو دوکاندار کہتے ہیں کوئی کچھ بولتا ہے کوئی کچھ۔ غرض ان بھانت بھانت کی بولیوں کو سن کر جو ہر ملک میں جو اس دنیا پر آباد ہے یورپ امریکہ وغیرہ میں اشتہار دیتے ہیں اس کی غرض کیا ہے۔ ہماری غرض بجز اس کے اور کچھ نہیں تاکہ لوگوں کو اس خدا کی طرف رہنمائی کریں جسے ہم نے خود دیکھا ہے۔ سنی سنائی بات اور قصہ کے رنگ میں ہم خدا کو دکھانا نہیں چاہتے بلکہ ہم اپنی ذات اور اپنے وجود کو پیش کر کے دنیا کو خدا تعالیٰ کا وجود منوانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک سیدھی بات ہے خدا تعالیٰ کی طرف جس قدر کوئی قدم اٹھاتا ہے خدا تعالیٰ اس سے زیادہ سرعت اور تیزی کے ساتھ اس کی طرف آتا ہے دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک معزز آدمی کا منظور نظر عزیز اور واجب التعظیم سمجھا جاتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کا

تقرب حاصل کرنے والا اپنے اندران نشانات میں سے کچھ بھی حصہ نہ لے گا جو خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور بے انتہا طاقتوں کا نمونہ ہوں۔

یہ یادرکھو کہ خدا تعالیٰ کی غیرت کبھی تقاضا نہیں کرتی کہ اس کو ایسی حالت میں چھوڑے کہ وہ ذلیل ہو کر پسپا ہو جاوے۔ نہیں بلکہ جیسے وہ خود وحدہ لاشریک ہے وہ اپنے اس بندہ کو بھی ایک فرد اور وحدہ لاشریک بنا دیتا ہے۔ دنیا کے تختہ پر کوئی انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہر طرف سے اس پر حملے ہوتے ہیں اور ہر حملہ کرنے والا اس کی طاقت کے اندازہ سے بیخبر ہو کر جانتا ہے کہ میں اسے تباہ کر ڈالوں گا لیکن آخر اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا بچ نکلنا انسانی طاقت سے باہر کسی قوت کا کام ہے کیونکہ اگر اسے پہلے سے یہ علم ہوتا تو وہ حملہ بھی نہ کرتا۔ پس وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے حضور ایک تقرب حاصل کرتے ہیں اور دنیا میں اس کا وجود اور ہستی پر ایک نشان ہوتے ہیں بظاہر اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ہر ایک مخالف اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ میرے مقابلہ میں یہ بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ ہر قسم کی تدبیر اور کوشش کے نتائج اسے یہیں تک پہنچاتے ہیں لیکن جب وہ اس زد میں سے ایک عزت اور احترام کے ساتھ اور سلامتی سے نکلتا ہے تو ایک دم کے لئے تو اسے حیران ہونا پڑتا ہے کہ اگر انسانی طاقت کا ہی کام تھا تو اس کا بچنا محال تھا لیکن اب اس کا صحیح سلامت رہنا انسان نہیں بلکہ خدا کا کام ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقربان بارگاہ الٰہی پر جو مخالفانہ حملے ہوتے ہیں وہ کیوں ہوتے ہیں معرفت اور گیان کے کوچہ سے بیخبر لوگ ایسی مخالفتوں کو ایک ذلت سمجھتے ہیں مگر ان کو کیا خبر ہوتی ہے کہ اس ذلت میں ان کے لئے ایک عزت اور امتیاز نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور ہستی پر ایک نشان ہوتا ہے اسی لئے یہ وجود آیات اللہ کہلاتے ہیں۔

غرض ہم جو اشتہار دے دیکر لوگوں کو بلاتے ہیں تو ہماری یہی آرزو ہے کہ ان کو اس خدا کا پتہ دیں جسے ہم نے پایا اور دیکھا ہے اور وہ اقرب راہ بتلائیں جس سے انسان جلد باخدا ہو جاتا ہے پس ہمارے خیال میں قصہ کہانی سے کوئی معرفت اور گیان ترقی نہیں پا سکتا جب تک کہ خود عملی حالت سے انسان نہ دیکھے۔ اور یہ بدون اس راہ کے جو ہماری راہ ہے میسر نہیں اور اس راہ کے لئے ایسی صعوبتوں اور مشقتوں کی ضرورت نہیں یہاں دل بکار ہے۔ خدا تعالیٰ کی نگاہ دل پر پڑتی ہے اور جس دل میں محبت اور عشق ہو اس کو مورتی سے کیا غرض؟

مورتی پوجا سے انسان کبھی صحیح اور یقینی نتائج پر پہنچ نہیں سکتا۔

خدا تعالیٰ کی نگاہ مخلص انسان کے دل کے ایک نقطہ پر ہوتی ہے جب وہ دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کی خاطر وہ خوشی دلی سے ہر صعوبت و مکروہ کو برداشت کر لے گا۔ یہ ضرور نہیں کہ کوئی بڑی بڑی مشقتیں کرے اور دائم حاضر باش رہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خاکروب ہمارے مکان میں آکر بڑی تکلیف اٹھاتا ہے اور جو کام وہ کرتا ہے ہمارا ایک بڑا معزز مخلص دوست وہ کام نہیں کر سکتا تو کیا ہم اپنے وفادار احباب کو بے قدر سمجھیں اور خاکروب کو معزز و مکرم خیال کریں۔ بعض ہمارے ایسے بھی احباب ہیں جو مدتوں کے بعد تشریف لاتے ہیں اور انہیں ہر وقت ہمارے پاس بیٹھنا میسر نہیں آتا۔ مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کے دلوں کی بناوٹ ایسی ہے اور وہ اخلاص و مودت سے ایسے خمیر کئے گئے ہیں کہ ایک وقت ہمارے بڑے بڑے کام آسکتے ہیں کہ جتنا شرف بڑھ جاتا ہے محنت اور کام ہلکا لگتا ہے ایک بینہ کوری کو دیکھ لو۔ انبار پردانوں کا اسے دیا جاتا ہے اور ایک ہفتہ کے اندر حکم ہے کہ تعمیل کر کے حاضر ہو۔ برسات ہو دھوپ ہو جاڑا ہو، دیہات کے راستے خراب ہوں کوئی عذر سنا نہیں جاتا اور تنخواہ پوچھو تو پانچ روپے۔ اور حکام بالا دست کا معاملہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اس قانون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا قانون بھی اپنے برگزیدوں سے ایسا ہی ہے۔ خطرناک ریاضتیں کرنا اور اعضاء اور قویٰ کو مجاہدات میں بیکار کر دینا محض نکمی بات اور لاحاصل ہے۔ اسی لئے ہمارے ہادی کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

لا رهبانیه فی الاسلام

یعنی جب انسان کو صفت اسلام (گردن نہادن برحکم خدا موافقت تامہ بمقادیر الہیہ) میسر آجائے تو پھر رہبانیت یعنی ایسے مجاہدون اور ریاضتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد سادھو صاحب تشریف لے گئے اور کھانا رکھا گیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت کو نہیں رکھا۔ اس لئے کہ وہ معرفت تامہ کا ذریعہ نہیں ہے۔ (الحکم جلد ۳، نمبر ۲۸ - ۱۰ اگست ۱۸۹۹)

☆☆☆

تحریک احمدیت

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب کی نظر میں

ہندوستان کے مولانا عبدالماجد دریابادی مشہور دیوبندی عالم دین تھے۔ وہ مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید اور ان کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے۔ قرآن مجید کی انھوں نے دو تفسیریں لکھیں۔ ایک اردو میں ایک انگریزی میں۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کا ہفت روزہ اخبار "صدق جدید" تھا جو لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا۔ وہ مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتے تھے، انھیں مسلمان قرار دیتے تھے۔ کئی سال ہوئے ماہنامہ "الحق" (اکوڑہ خٹک) کے صفحات میں اس موضوع پر بحث شروع ہوگئی۔ کسی نے لکھا وہ مرزائیوں کو کافر قرار دیتے تھے، کسی نے لکھا نہیں قرار دیتے تھے۔ ہمارے مرحوم محقق دوست طالب ہاشمی نے خود مولانا عبدالماجد دریابادی اور بعض دیگر حضرات کی تحریروں سے ثابت کیا کہ وہ مرزائیوں کو کافر نہیں بلکہ مسلمان قرار دیتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ طالب ہاشمی صاحب اور ان کے ہمنوا اس میں حق بجانب تھے۔ مولانا ممدوح مرزائیوں کو کافر نہیں قرار دیتے تھے۔ اس بحث میں علی ارشد نے بھی حصہ لیا۔ میں نے "الحق" کے ایک شمارے میں ان کے دلچسپ الفاظ پڑھے کہ جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالماجد دریابادی مرزائیوں کو کافر نہیں بلکہ مسلمان سمجھتے تھے، "میں بھی ان کا ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں۔" چنانچہ انھوں نے ان کا ہاتھ "بٹانا" اور "صدق جدید" کے پرانے شماروں سے جو ان کے کتب خانے میں محفوظ تھے، ثابت کیا کہ مولانا عبدالماجد دریابادی مرزائیوں کو کافر کہنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ یہ دلچسپ بحث کچھ عرصہ جاری رہی۔ پھر بعض دیوبندی حضرات کے کہنے سے بند کردی گئی تھی۔ کیوں کہ اس سے مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید دیوبندی عالم کے متعلق لوگوں پر برے اثرات مرتب ہوتے تھے۔

(علی ارشد صاحب: ہفت روزہ "الاعتصام" شمارہ نمبر 15، جلد 61، مورخہ 10 تا 16 اپریل 2009ء ص ص 28،27)

○○

بلاتبصرہ

کتبہ قبر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے متعلق جماعت احمدیہ قادیان کی تحریرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مقبرہ بہشتی میں دو قبروں کے کتبے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خود لکھے ہوئے ہیں اور وہ اس بات کا نمونہ ہیں کہ اس مقبرہ کے کتبے کس طرح کے ہونے چاہئیں۔ اب جو کتبے عموماً لکھے جاتے ہیں ان سے بعض دفعہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ شخص کہاں دفن ہے یا اس کے اندر کیا کیا خوبیاں تھیں یا سلسلہ کی کس کس قسم کی خدمت اس نے کی ہے۔ دو کتبے جو حضورت نے خود لکھے وہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور صاحبزادہ مبارک احمد کے ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کتبہ ہمارے نانا جان مرحوم نے لکھا تھا اور حضرت خلیفہ اوّل رحمۃ اللہ علیہ نے درست کیا تھا۔ اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کا کتبہ غالباً ہمارے نانا جانا مرحوم نے لکھ کر حضرت خلیفہ ثانی کو دکھالیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کتبہ میں حضرت خلیفہ اوّلؓ نے صرف اتنی تبدیلی کی تھی کہ جہاں نانا جان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کتبہ کے آخر میں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ لکھے تھے اُسے حضرت خلیفہ اوّلؓ نے بدل کر **علیہ وعلیٰ مطاعہ محمد الصلوٰۃ والسلام** کے الفاظ کردیئے تھے۔ (سیرت المہدی، حصہ سوم: حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے جسے خاکسار (پروفیسر) محمد اسمٰعیل مولوی فاضل ونشی فاضل نے قادیان دارالامان سے شائع کیا ایڈیشن اوّل صفر 1358ء اپریل 1939ء)

○○

مزار مبارک، کتبہ اور چار دیواری

حضرت اقدسؑ کا مزار مبارک بالکل کچا رکھا گیا۔ اور محض شناخت کے لیے قبر کے سرہانے چونے کی دیوار پر سیاہی سے عارضی طور پر یہ الفاظ لکھ دیئے گئے "جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رئیس قادیان مسیح موعود و مجدد صدی چہار دہم تاریخ وفات 26/مئی 1908ء"[1] مستقل کتبہ کے لیے مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جو افسر بہشتی مقبرہ تھے۔ 21/فروری 1909ء کے "الحکم" میں ایک بہت لمبا کتبہ لکھا جس میں مسیح وقت و مہدی ومجدد، جری اللہ فی حلل الانبیاء اور نبی وغیرہ القاب سے یاد کیا گیا تھا مگر خلافت اولیٰ میں اس کے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ خلافت ثانیہ میں جب کہ بارشوں کی وجہ سے دیوار کی سیاہی کے الفاظ دُھل گئے تو سنگ مرمر کا کتبہ نصب کیا گیا جس پر یہ الفاظ درج کیے گئے:

"مزار مبارک حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود مہدی مسعود علیہ و علیٰ مطاعہ محمد الصلوٰۃ والسلام تاریخ وفات 24/ربیع الثانی 1326ھ بمطابق 26/مئی 1908ء اناللہ وانا الیہ راجعون" یہی کتبہ آج تک موجود ہے۔ نومبر 1925ء میں حفاظت کی غرض سے مزار کے اردگرد چار دیواری بھی تعمیر کردی گئی ہے۔[2]

[1] الفضل 12/ستمبر 1936ء ص 7، کالم 3

[2] الفضل 26/دسمبر 1939ء ص 4، کالم 3

تاریخ احمدیت: مولانا دوست محمد شاہد، جلد سوم، ص ۵۶۴

○○

احمدیت کے ابتدائی دور کی چند یادیں (برموقع برسی، 16 نومبر)

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں مرحوم و مغفور امیر جماعت سوئم کی خودنوشت سوانح کے چند اقتباسات

صوبہ سرحد (پاکستان) کے ضلع مانسہرہ کے صدر مقام ایبٹ آباد سے تین میل کے فاصلے پر مغرب کی جانب ایک چھوٹا سا گاؤں دیب گراں ہے۔ اس کا اصل نام تو دیوی گراں یا دیوا گراں تھا، جو بعد میں دیب گراں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ گاؤں ایک کھلے میدان میں واقع ہے جس کے اطراف میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ مغرب کی جانب تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے سیرن بہتا ہے۔ شمال کی جانب ایک قریبی پہاڑی پر ایک ستون نما پتھر ہے اور دوسرا قریبی پہاڑی کی چوٹی پر راکٹ نما ایک پتھر موجود ہے۔ ہندو لوگ قبل از تقسیم ہند ان پتھروں کو متبرک سمجھتے تھے۔ ان کے نام 'دیوی اور دیو' تھے۔ انہی' کے حوالہ سے اس گاؤں کا نام دیوی گراں یا دیوگراں پڑ گیا۔ مغرب کی جانب آٹھ ہزار فٹ بلند کوہ بھنگڑہ ہے جس کی چوٹی پر مجھے اپنی علالت کے دوران کچھ وقت گذارنے کا موقعہ ملا۔ وہاں کی آب و ہوا صحت افزاء ہے

دیب گراں ایک سرسبز پہاڑی گاؤں ہے جس میں میٹھے پانی کے کنوئیں ہیں۔ یہاں کے اونچے نیچے کھیتوں اور سیڑھی نما کیاریوں میں گندم، گنا، مکئی، مونگ پھلی اور دھان کی فصلیں اس کے قدرتی حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔ انار، انگور، اخروٹ، آلوچہ، خوبانی، اور سیب و ناشپاتی وغیرہ کے درخت خوب پھل دیتے ہیں۔ موسم گرما و برسات کا موسم دیدنی ہوتا ہے۔

میرے آباؤ اجداد اسی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ میری جائے ولادت بھی یہی ہے۔ میرے عزیز و اقارب اور رشتہ دار وغیرہ اب بھی یہاں پر مقیم ہیں۔ یہاں پر ہماری زمینداری، مکانات اور آبائی قبرستان بھی ہیں۔

میرے والد مکرم حضرت مولوی یحییٰؒ اور میرے چچا حضرت محمد یعقوبؒ دونوں اپنی دینداری علم و فضل، تقوی اور طہارت کی وجہ سے نیک نام تھے۔ علاقے میں ان کی عزت کی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو لوگ بھی ان کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ ان ہر دو سے دوا دارو بھی کرواتے کیونکہ دونوں بزرگ طبیب بھی تھے وہ ان کی دعاؤں کے بھی محتاج تھے۔ وہ مستجاب الدعوات صاحبانِ کشف والہام تھے۔

ایک عالم فاضل ہندو نے جس کا نام بخشی جمعیت رائے تھا اور وہ ان بزرگوں کے فدائی شیدائی تھے ایک دفعہ اپنے ایک خط میں لکھا کہ دیب گراں اصل میں دیوا گراں ہے اور سنسکرت میں دیوا فرشتے کو کہتے ہیں اور گراں کے معنی ہیں گاؤں یا دیہات۔ ممکن ہے یہاں پر کبھی دیو یا فرشتے بھی رہتے ہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں واقعی دو فرشتے اس زمانہ میں ہم نے دیکھے اور وہ حکیم محمد یحییٰؒ اور مولوی محمد فضل یعقوبؒ تھے۔ ان لوگوں کی ان بزرگوں سے محبت، احترام اور عقیدتمندی تھی، جس کا اظہار وہ کرتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ ان بزرگوں نے علاقہ میں اپنی نیکی، شرافت اور خدمتِ خلق اور دیانت و امانت کے حوالہ سے دلوں پر اثر کر رکھا تھا۔ لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنے علاقہ کی سماجی حالت سدھارنے کی فکر میں رہتے تھے۔ دینی اور علمی فروغ کا ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے گاؤں کی مسجد میں ایک کنواں کھدوایا اور ایک حجرہ طلباء کے لئے تعمیر کروایا اور ان کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ قائم کیا۔

میری ولادت ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو دیب گراں میں ہوئی۔ میں نے علاقہ کے معروف علمی اور مذہبی خاندان میں آنکھ کھولی۔ میری پیدائش پر میرے والد بزرگوار کو اطلاع دی گئی اور دعا کے لئے درخواست کی گئی۔ انہوں نے ہی سعید احمد نام تجویز کیا جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے پسند فرمایا۔ میں اکلوتا بیٹا تھا چنانچہ والدین نے میری نگہداشت اور پرورش فطری تمناؤں اور شب و روز کی دعاؤں کے ساتھ کی۔

حضرت مرزا صاحب کی بیعت اور قادیان میں آمد

میں نے چھ سال کی عمر میں حضرت مرزا صاحب کی بیعت بذریعہ خط کی

قادیان میں پہلی بار آمد

جب میری عمر تقریباً آٹھ سال کی ہوئی تو میرے والد مرحوم حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں آخری بار دسمبر ۱۹۰۷ء میں مجھے بھی اپنے ساتھ قادیان لے گئے۔ ہم تین ماہ وہاں مقیم رہے۔ یہ دسمبر ۱۹۰۷ء اور مارچ ۱۹۰۸ء کے درمیان کا عرصہ تھا مجھے روزانہ حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں پیش ہونے کا والد صاحب کی معیت میں موقعہ ملتا رہا۔

اس وقت میں نے حضرت مرزا صاحب کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر بیعت کی۔ اس عرصہ میں میرا معمول رہا کہ میں اس کھڑکی سے لگ کر بیٹھ جاتا جس سے حضرت مرزا صاحب مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے۔ جونہی آپ تشریف لاتے میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیتا تھا اور آپ کی قریب بیٹھ جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ میں میں نے ایک روپیہ دیا جو اسی غرض سے والد صاحب نے مجھے دیا تھا۔ تو حضرت مرزا صاحب نے بڑی توجہ سے میری طرف دیکھا اور پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے۔ تو میرے والد صاحب قبلہ نے عرض کیا۔ حضرت! یہ آپ کا ہی غلام زادہ ہے۔ مجھے یہ الفاظ اب تک بوجہ عجیب لگنے کے یاد ہیں۔ پھر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا: اس کا نام کیا ہے۔ تو میرے والد صاحب قبلہ نے جواب دیا کہ اس کا نام سعید احمد ہے اور یہ نام آپ ہی نے رکھا اور پسند فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت مرزا صاحب نے میرے حق میں کچھ دعائیہ کلمات فرمائے۔ اس زمانہ کی کئی باتیں یاد ہیں۔ وہ دن پھر کہاں آ سکتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کی زندگی کے آخری ایام تھے۔ مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت مرزا صاحب کے وصال کی خبر آئی تو جماعت پر غم کی گھٹائیں چھا گئیں۔ مجھے اپنے والد اور چچا کے غم والم کا نقشہ کچھ کچھ یاد پڑتا ہے۔

قادیان میں دوسری بار آمد

۱۹۱۲ء میں میرے والد صاحب نے اپنے گاؤں کے چند احمدی بزرگوں کے ساتھ مجھے دوبارہ قادیان بھیجا تا کہ وہاں کے مبارک ماحول اور مولوی نور الدین صاحب کے فیض صحبت سے مستفید ہو جاؤں۔ ان دنوں مولوی صاحب بعد از نماز ظہر مسجد مبارک میں بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے اور میں باقاعدگی سے اس مجلس میں شامل ہوتا تھا۔

ایک دفعہ مجھے دیکھ کر حضرت مولانا نے پوچھ ہی لیا کہ یہ بچہ کون ہے۔ میرے گاؤں کے ایک بزرگ امیر اللہ نے میرے والد صاحب کے حوالہ سے میرا تعارف کرایا۔ یہ سنتے ہی حضرت مولانا نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینے سے لگایا اور مجھے پیار اور بوسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو ہمارے دوست کا بیٹا ہے۔ اس دوست کا جس نے ہماری بیماری میں چھ ماہ تک ہماری چارپائی سے لگ کر ایسی خدمت کی جو نہ بھائی کر سکتا ہے نہ بہن نہ بیوی نہ اولاد۔

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ایک ولی اللہ نے فرط محبت سے مجھے سینے سے لگایا۔ بہر حال مجھے اپنے دو مرتبہ قادیان میں ورود کی وجہ سے وہاں کا ماحول بہت پسند آیا۔ اور وہاں رہ کر تعلیم جاری کرنے کا شوق طبیعت پر غالب رہا۔ چنانچہ مڈل سکول مانسہرہ سے ساتویں جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں ۱۹۱۳ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں آٹھویں میں داخل ہو گیا۔ نویں جماعت کا امتحان وہیں سے پاس کیا اس دو سالہ قیام کے دوران میں نے حضرت مولانا نور الدین صاحب کے درس قرآن کریم میں شمولیت کی۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا موصوف کی وفات کے بعد میں نے ایبٹ آباد آ کر ہائی سکول ایبٹ آباد سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لے لیا۔ ایف ایس سی (پری

میڈکل) پاس کرنے کے بعد کنگ ایڈورڈ میڈکل کالج لاہور میں داخل ہوگیا جہاں سے ۱۹۲۴ء میں ایم بی بی ایس پاس کیا۔ اس دوران اللہ تعالےٰ کا خاص فضل شامل حال رہا۔ ۱۹۰۸ء سے جاری شدہ ایک میڈل میں نے ۱۹۲۰ء میں حاصل کیا۔ جو گذشتہ بارہ سال میں کسی مسلمان طالب علم نے حاصل نہیں کیا تھا اور جب آنر بورڈ پر پہلی بار ایک مسلمان نام لکھا گیا تو مسلمانوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

سلسلہ احمدیہ سے لگاؤ

سلسلہ احمدیہ سے میرا لگاؤ اور دلچسپی پیدائشی ہے میں نے ایک فعال احمدی گھرانے میں آنکھ کھولی والدین نے انہی خطوط پر میری پرورش اور تعلیم و تربیت کے سامان فراہم کئے۔ اوائل عمر میں ہی دو دفعہ قادیان جانے اور حضرت مرزا صاحب کی زیارت اور سلسلہ عالیہ کے متقدر بزرگوں، حضرت حکیم الامت مولٰنا نور الدین صاحب، حضرت مولانا محمد علی صاحب اور دیگر حضرات سید محمد احسن صاحب، مولانا غلام حسن پشاوری صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر مرز ایعقوب بیگ صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ قادیان کی فضا میں رہ کر پنج وقتہ نمازوں میں شرکت اور قرآن و حدیث کے درس میں بھی شمولیت نصیب ہوئی۔ اس طرح ان بزرگان دین کی مجالس سے براہ راست فیضیاب ہوا اور دین و جماعت کے بارے میں تعلیم و تربیت سے حصہ پایا۔

ابتدائی تعلیم کے ایام مانسہرہ، ایبٹ آباد میں گزرے اور پھر پشاور میں احباب جماعت کی صحبت میسر رہی۔ ایم بی بی ایس کی تعلیم کے لئے لاہور جانا ہوا تو وہاں بھی احمدی ماحول میسر آیا جس سے میں نے بھرپور استفادہ کیا۔

کالج ہوسٹل میں دوسرے احمدی طلباء کے ساتھ مل کر جن میں ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کا نام قابل ذکر ہے ہم نے پنجوقتہ نمازوں کا سلسلہ جاری کیا ہوا تھا۔ اور وہاں پر فعال احمدی طلباء کی حیثیت سے وقت گذارا۔ شام کو حضرت مولٰنا محمد علی صاحب کا درس قرآن سننے کے لئے اور جمعہ کی نماز کے لئے احمدیہ بلڈنگس لاہور جایا کرتے تھے۔ سلسلہ کا تازہ بہ تازہ لٹریچر نہ صرف ہم خود ہی ذوق وشوق سے پڑھتے بلکہ اسے تقسیم بھی کرتے تھے۔

میری مخالفت

اللہ تعالےٰ کے فضل وکریم سے میرا کسی سے کوئی لڑائی جھگڑا یا تنازعہ نہ تھا نہ رشتہ داری کی بناء پر نہ کسی جائیداد و املاک کے بارے میں اور نہ کسی دیگر معاملہ میں۔ ساری عمر ایسے بکھیروں سے آزاد رہا اور نہ اللہ تعالےٰ نے کبھی ایسے فتنہ و آزمائش میں ڈالا۔ اگر کوئی دشمنی وعداوت تھی تو لوگوں کو مجھ سے اس بناء پر تھی کہ میں احمدی ہوں۔ احمدیت کی تبلیغ کرتا اور انہیں احمدی بناتا ہوں۔

یہاں آؤ - خدا پاؤ

تمنائیں نئی لاؤ ارادے بھی نئے لاؤ
جہاں ہو جس جگہ ہو تم چلے آؤ چلے آؤ

مسیحِ وقت کا دارالاماں تم کو بلاتا ہے
یہی تسکین کی جا ہے، یہاں آؤ، خدا پاؤ

خدا کی دین ہے جو یہ سعادت مل گئی ہم کو
وگرنہ لاکھ سر مارو جو چاہو، ہاتھ پھیلاؤ

یہیں سے دین کی نصرت مقدر ہو چکی اب تو
بتادو اہل عالم کو نہ یونہی ٹھوکریں کھاؤ

بہارِ زندگی اک امتحاں ہے دیدہ و دل کا
چمن کے رنگ وبو سے دیدۂ دل کو نہ بہلاؤ

یہاں آؤ کہ مل کر عہد باندھیں دیں کی نصرت کے
غمِ دیں ساتھ لاؤ اور غمِ جاں بھول کر جاؤ

رہِ الفت میں عاشق سر بکف اکثر نکلتے ہیں
غمِ دل بھول جاؤ اور نہ اپنے زخم دکھلاؤ

کلام علوی

شبان الاحمدیہ مرکزیہ

بچوں کے لئے

نصیحت

حضرت ابراہیم ادھم کے پیرومرشد حضرت فضیل بن عیاض کا لوگوں میں بڑا چرچا تھا۔ ہارون رشید ان سے ملنا چاہتا تھا۔ آپ ہمیشہ ٹال جاتے تھے لیکن ایک دن ہارون رشید کسی اطلاع کے بغیر مکتب میں پہنچ گئے۔ اور سلام عرض کرنے کے بعد کہا: ''حضرت! میں نصیحت سننے آیا ہوں۔ کچھ ارشاد فرمائیں''۔

فضیل بن عیاض نے جواب دیا:۔

''ہارون! اللہ سے ڈرو اور جسم کو جہنم کی آگ سے بچا''۔

ہارون نے سوال کیا:

''وہ کس طرح؟'' آپ نے جواب دیا:۔

''اگر تری وسیع سلطنت میں ایک انسان بھی بھوکا سویا تو اس کا تجھ سے مواخذہ ہوگا۔ جب کوئی شخص خدا سے ایک ایسی شے طلب کرتا ہے جو اس کے مقسوم میں نہیں ہے تو خدا اپنی رحمت کے بے پایاں اظہار کے لئے آخرت کی نعمتوں میں سے عطا فرما دیتا ہے۔ اس قسم کی فیاضی تم بھی اختیار کرو''۔ ہارون رشید نے پوچھا:

''اور کچھ؟'' آپ نے جواب دیا:۔

''اور دنیا میں بے عیب دوستوں کو مت تلاش کرو کیونکہ اس کوشش میں اپنے تمام دوستوں سے مرحوم ہو جاؤ گے یاد رکھو عادتیں انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔ بہت کھانا اور بہت سونا اگر اللہ مجھ سے یہ کہے کہ میں تیری صرف دعا قبول کروں گا۔ جو مانگنا ہے مانگ لے تو اس وقت میں بادشاہ کی بہتری کے لئے دعا مانگوں گا۔ کیونکہ بادشاہ کی درستی اور بہتری ہی سے پورے ملک اور قوم کی بہتری وابستہ ہے''۔

ہاورن رشید نے اٹھنے سے پہلے آپ کی خدمت میں ایک تھیلی پیش کی۔ آپ نے ترشئی سے کہا:

''کیا میرے احسان کا یہی بدلہ ہے؟ میں تمہیں بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم مجھے مصیبتوں میں پھنسا دینا چاہتے ہو''۔

قرآن مجید کے بارے میں

قرآن مجید میں کل پارے۔۔۔۔۔30

کل منزلیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔7

کل سورتیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔114

کل آیات۔۔۔۔۔۔۔۔۔6666

کل رکوع۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔558

کل حروف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔0320627

- سورۃ فاتحہ کو ''باب القرآن'' کہتے ہیں۔
- سورۃ یاسین کو ''قلب قرآن'' کہتے ہیں
- سورۃ توبہ میں ایک بار بھی ''بسم اللہ'' نہیں آیا۔
- سورۃ نمل میں دوبار ''بسم اللہ'' آیا۔
- قرآن مجید کی سب سے بڑی سورۃ سورۃ بقرہ جب کہ سب سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے۔
- قرآن مجید میں دعا مانگنے کی تاکید 800 مقامات پر جب کہ نماز کی تاکید 70 مقامات پر آئی ہے۔

دعا

میرے مولا مجھے فراست دے
سب سے بڑھ کر تو اپنی الفت دے
تو دکھا مجھ کو راستہ سیدھا
میں ہوں بھٹکا ہوا مجھے ہدایت دے
میرا ملک عزیز ہو خوش حال
سب کو تعمیر کی بشاشت دے
میں غریبوں کی کر سکوں امداد
رزق میں میرے اتنی برکت دے
تیرے اسلام کی کروں خدمت
اتنی ہمت دے اور طاقت دے
مجھ کو فعال زندگی ہو عطا!
اے جلیل و قدیر صحت دے

کوئز برائے اطفال الاحمدیہ

1- جنگ بدر کس نے جیتی؟
2- احمدیہ جماعت بنانے کا کیا مقصد تھا؟
3- حضرت مسیح موعودؑ کا تعلق کس قبیلے سے تھا؟
4- رسول ﷺ کا وصال کتنی عمر میں ہوا؟
5- رسول ﷺ نے کتنے حج کیے؟

پچھلے شمارہ کے کوئز پروگرام کے صحیح جواب دینے والے

1- عالیہ ابرار (دار السلام لاہور)

انگریزی سے ترجمہ: فائزہ عرفان علی (ایم ایس ایڈ)۔ قسط: اول

جہاد کا صحیح مفہوم

ڈاکٹر زاہد عزیز، ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی (انگلستان)

عربی لفظ جہاد کا مطلب کوشش کرنا یا کسی ناپسندیدہ اور غلط چیز یا رویہ کے خلاف بھرپور کوشش کرنا ہے۔ لیکن اس سے ہرگز مراد جنگ یا اسلحہ کی ساتھ لڑائی کرنا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلحہ لڑائی کو بھی جہاد کہا جاتا ہے۔ لیکن اس مفہوم میں اس لفظ کا استعمال اس طرح ہے جس طرح جدوجہد کے لیے انگریزی لفظ کوشش کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ اسلامی تعلیمات میں جہاد کسے کہتے ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ یہ لفظ قرآن مجید میں کن معانی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں جہاد کا لفظ کافی وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً یہ کہ وہ لوگ جو اسلام کے مخالف تھے ان کی اس کوشش کو کہ مسلمان خدائے واحد کے علاوہ دوسری چیزوں کی عبادت کریں کے لیے بھی جہاد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

(۱) ''اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ (دوسروں کو) شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات نہ مان'' (۲۹:۸، ۳۱:۱۵)۔ عربی لفظ جس کا ترجمہ کوشش کیا گیا ہے یہاں اس کو جہاد کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظ کا یہاں ان معنوں میں استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک تو یوں جہاد کا مطلب جنگ نہیں ہے۔ کیونکہ اس موقع پر کوئی جنگ نہیں لڑی جا رہی۔ دوسرے یہ کہ یہاں مسلمانوں کے مخالفین کو کہا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد یا کوشش جس کی مسلمانوں سے توقع کی جا رہی ہے کہ وہ کریں وہ ذیل کی قسم کی ہے:

۱۔ خدا کا قرب حاصل کرنے کی کوشش تاکہ بری خواہشات پر قابو پا کر اپنے آپ کی اخلاقی اور روحانی طور پر اصلاح اور ترقی کی جائے۔

۲۔ مشکل حالات میں اسلام پر ثابت قدمی سے قائم رہنا اور ظلم و ستم میں صبر اور استقامت دکھانا۔

۳۔ اسلام کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے کوشش کرنا اور اس سلسلہ میں اپنا وقت، قوت اور روپیہ خرچ کرنا۔

۴۔ مسلمانوں کی حمایت کی دفاع میں لڑائی کرنا یا لڑائی میں امداد فراہم کرنا۔ ان حالات میں جبکہ اسلام ہتھیار کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے جہاد

اس کا ذکر ذیل کی آیت میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ''اور جو لوگ ہمارے لیے محنت یا کوشش کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنے رستوں پر چلائیں گے اور اللہ یقیناً نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (۲۹:۶۹)

اصل عربی عبارت میں جس لفظ کا اردو میں ترجمہ سخت محنت یا کوشش کیا گیا ہے وہ لفظ جہاد ہے۔ مطلب واضح طور پر اخلاقی اور روحانی اصلاح لانے کے لیے کوشش کرنا ہے۔ اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ جہاد کا مترادف لفظ مجاہدہ ہے جو کہ مذہبی کوشش مثلاً روزے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ذیل کی دو آیتوں میں اسی جہاد کا ذکر کیا گیا ہے جہاں لفظ کوشش کو جہاد کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ آیات اس وقت رسول اکرم صلعم پر نازل ہوئیں جب آپ سخت ظلم و ستم کے حالات میں مکہ میں رہ رہے تھے۔ اس لیے جہاد کرنے کا حکم لڑائی کرنے کے معنوں میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ پہلی آیت میں کوشش کو نماز یا عبادت، صدقات دینے اور خدا سے مضبوط تعلق باندھنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

جہاد صبر اور برداشت کے معنوں میں

ان معنوں میں ذیل کی آیت میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ''پھر تیرا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اس کے بعد کہ انہیں دکھ دیا گیا ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا یقیناً تیرا رب اس کے بعد حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے'' (۱۶:۱۱۰)۔ یہ آیت بھی اس وقت نازل ہوئی جبکہ رسول اکرم صلعم ابھی مکہ ہی میں رہ رہے تھے اور دیگر مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت مل گئی تھی لیکن ابھی مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ان حالات میں ان کو سخت کوشش یا جہاد کا حکم ان معنوں میں تھا کہ وہ عام مشکلات اور مصائب کو صبر کے ساتھ برداشت کریں اور یہاں اس لفظ سے ہرگز مراد لڑائی کرنا نہ تھا۔

انہیں معنوں میں جہاد ایک نہایت مشہور حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے جس میں رسول اکرم صلعم فرماتے ہیں:

کہ ''سب سے بہترین جہاد ایک ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے'' (ترمذی ابواب الفتن)

یہاں ایک نیک مقصد کے لیے سچ بولنا جو ایک

بڑی ہی ہمت چاہتا ہے اس کو جہاد کہا گیا ہے۔ اور رسول اکرم صلعم نے اس کو بہترین جہاد قرار دیا ہے۔

اسلام کی تبلیغ کے لیے جہاد

سورت نحل کی آیت ۱۱۰ میں جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کو جہاد میں شامل کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کو اذیت دی جا رہی تھی۔ اس آیت میں مسلمانوں کو تبلیغ کے سلسلہ میں استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے اور نتائج کے لیے صبر دکھانے پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس موقع پر رسول اکرم صلعم کو حکم دیا گیا:

''اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ سو کافروں کی بات نہ مان اور اس قرآن کے ساتھ ان سے وہ جہاد کر جو بڑا جہاد ہے۔ (فرقان ۲۵:۵۱،۵۲)

عظیم الشان یا بڑی کوشش یا جس کے لیے قرآن مجید نے عربی لفظ جہاد کبیرا استعمال کیا ہے اس کو ہی رسول اکرم صلعم نے قرآن مجید کی سچائی کو پھیلانے کے مشن کا نام دیا ہے۔ اس آیت میں ''اس کے ساتھ'' کے الفاظ میں قرآن مجید کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ ہر ایک مسلمان کا سب سے بڑا فریضہ بھی یہی بڑا جہاد ہے۔ یہ آیت بھی رسول اکرم صلعم کے مکہ میں قیام کے دوران ہی نازل ہوئی تھی اس لیے اس حکم میں اس بڑے جہاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور لفظ جہاد کو اس آیت میں دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ یہاں اس سے مراد مسلح لڑائی ہرگز نہیں ہے۔ ان کے علاوہ مدینہ میں کافی بعد کی آیات میں لفظ جہاد ان معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد مسلح لڑائی ہرگز نہیں ہے: ''اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان کے مقابلہ میں شدت اختیار کر۔'' (توبہ ۹:۷۳)

منافق وہ گروہ تھا جو ظاہری طور پر مسلمانوں کی جمعیت کا حصہ تھے لیکن نازک موقعوں پر مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیتے تھے۔ اسلام کے مقاصد کے دفاع کے وقت ایمان کے اخلاص کا مظاہرہ نہ کرتے تھے۔ ان کے خلاف کبھی جنگ نہ کی گئی۔ ان کے خلاف یہی جہاد تھا کہ ان کو اسلام کی سچائی کو ماننے پر آمادہ کیا جائے۔ اس قسم کی کوشش کرنے کے مقصد کا ذکر کفار مکہ کے لیے کرنے کا ذکر ہے۔ دس سے زیادہ قرآن مجید کے تراجم نے ذیل کی دو آیات میں جہاد کو سخت کوشش کے معنی کئے ہیں اور اس سے مراد جنگ نہیں لیا۔ ایک مثال ان آیات میں سے جو مدینہ میں نازل ہوئیں جہاں لفظ جہاد کے معنی جنگ یا لڑائی نہیں ہیں یہاں ہم سورت صافات کی آیت کا حوالا دینا چاہیں گے ''تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔'' (۶۱:۱۱)

تین آیات کے بعد چوتھی آیت میں یوں فرمایا گیا:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ جس طرح عیسی ابن مریم نے حواریوں سے کہا: اللہ کے راستے میں کون میرے مددگار ہیں۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں (صافات ۶۱:۱۴)۔ آیت ۱۱ میں سخت کوشش یا جہاد کو آیت ۱۴ میں اللہ کی راہ میں مدد کرنے والے بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کے حواریوں نے اللہ کی راہ میں مدد کی پکار کے جواب میں کہا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو اسلامی یا عیسائی ذرائع میں یہ ہرگز نہیں کہا گیا تھا کہ وہ کسی لڑائی میں اسلحہ کے ساتھ جنگ کریں۔ انہوں نے حضرت مسیحؑ کے پیغام کی سچائی کو تبلیغ کے ذریعہ مصائب، اذیت اور انتہائی مشکل حالات میں اس فریضہ کو ادا کیا۔

جہاد کی جنگ

قرآن مجید میں جہاد جنگ یا لڑائی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر

''ہلکے اور بوجھل نکل پڑو۔ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔'' (توبہ ۹:۴۱)

''اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں فراخی والے تجھ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ۔ ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہ جائیں..... لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور انہی کے لیے سب بھلائیاں ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (توبہ ۹:۸۶-۸۸)

حدیث میں ایسے واقعات کا بھی ذکر ہے کہ جب کچھ مسلمانوں نے جنگ کرنے کے لیے جہاد میں شرکت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو رسول ﷺ نے انہیں کہا کہ ان کا جہاد کئی دوسرے فرائض ادا کرنا ہے جن کا تعلق لڑائی سے نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر۔

''حضرت عائشہؓ زوجہ رسول ﷺ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ ہم جہاد کو سب سے بہترین کاموں میں شمار کرتے ہیں تو کیا ہمیں جہاد میں شرکت نہیں کرنی چاہیے؟ آپؐ نے فرمایا کہ عمدہ جہاد حج کو صحیح طریق پر ادا کرنا ہے۔ (بخاری کتاب الحج باب ۴)

ایک شخص نبی کریمؐ کے پاس آیا اور جہاد کرنے کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے پوچھا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا'' جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: تب ان کی دیکھ بھال کا جہاد کرو۔ (بخاری کتاب الجہاد باب ۱۳۸)

ان کے لیے جہاد کے لفظ کا بس ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے اور یہی مطلب ہر ایک نے سمجھا کہ اپنی کوشش کو والدین کی خدمت کے لیے خرچ کرو۔ یہاں رسول اکرم ﷺ نے حج یا والدین کی خدمت کو تمثیل کے رنگ میں یا ایک کم درجہ کی کوشش کا نام دیا جو کہ وہ لوگ کریں جو جہاد کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ آپؐ نے اس جنگ میں کوشش کو صحیح معنوں میں جہاد ہی کہا۔

ایک اور نہایت بصیرت افروز واقعہ حدیث میں

درج ہے جو کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے ساٹھ سال بعد ہوا جب مسلمانوں کی حکومت کے خلاف ابن زبیرؓ نے کچھ مسلمانوں کی سرکردگی کرتے ہوئے بغاوت کردی۔ عبداللہ ابن عمرؓ جو قرآن مجید کی تفسیر کے بارے میں عظیم سند تسلیم کیے جاتے ہیں اور حضرت عمرؓ کے بیٹے تھے ان سے اصرار کیا گیا کہ وہ اس بغاوت میں ان کا ساتھ دیں کیوں کہ مسلمانوں کا وہ گروہ اس کو جہاد سمجھتا تھا۔ اس بارے میں ذیل کی روایت ہے:

''ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا: کہ ایک سال آپ حج کے لیے جاتے ہیں اور دوسرے سال آپ عمرہ کے لیے جاتے ہیں۔ اور پھر بھی آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کو مسترد کر دیا ہے۔ آپ کو بخوبی علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے کی کتنی تاکید کی ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا: میرے بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اللہ پر ایمان۔ اللہ کے رسول پر ایمان۔ پانچ نمازیں، رمضان میں روزے، زکوۃ کا ادا کرنا اور اللہ کے گھر کا حج کرنا۔ اس شخص نے کہا: کیا آپ یہ نہیں سنتے جو اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے: ''کہ ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں اس پر عمل کیا۔ اس وقت مسلمان کم تعداد میں تھے۔ اور ان پر دین کی وجہ سے ظلم وستم ہوتا تھا۔ کفار مکہ اسلام قبول کرنے والوں کو یا تو مار ڈالتے تھے یا سخت سزا دیتے تھے۔ لیکن بعد میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد کافی بڑھ گئی اور کوئی فتنہ نہ رہا۔ (بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب ۳۰ سورۃ بقرہ)

اس طرح ابن عمرؓ نے اس لڑائی کو جس کو دوسرے مسلمان جہاد قرار دے رہے تھے قطعی جہاد ماننے سے انکار کر دیا اور یہ کہ ایسی لڑائی میں جہاد کے طور پر شامل ہوا جائے۔ اگرچہ عام مسلمان ایک ایسے خلیفہ کو جو اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر رہا تھا اس کے خلاف لڑائی کو ایک صحیح مقصد قرار دے رہے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اسلام کے پانچ بنیادی ایمان کی باتوں کا حوالہ دیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے ابن عمرؓ ایسے نام نہاد جہاد میں شمولیت کو فرض نہیں سمجھتے تھے۔

اسلحہ کے ساتھ جہاد کی شرائط

اسلامی اصطلاح میں جہاد تبھی سمجھا جائے گا جب ایسی لڑائی ان شرائط کے مطابق ہو جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ ہم باب ۴ میں دیکھ چکے ہیں کہ کن حالات میں اسلام جنگ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ جنگ دفاعی جنگ ہونی چاہیے اور اس میں سب مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت مدنظر ہو جن کو دین کی خاطر ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہو۔ صرف ایک ریاست کی باقاعدہ حکومت یا مسلمانوں کے مسلم رہنما جہاد کا اعلان کرنے کے مجاز ہیں اگر ممکن ہو تو دشمنوں سے صلح کی بات چیت ہونی چاہیے تاکہ جنگ سے بچا جائے اور امن کو بحال رکھا جائے۔ جنگ کے دوران ان تمام ہدایات کا خاص خیال رکھا جائے جو رسول کرم ﷺ نے اس سلسلہ میں دے رکھی ہیں۔ جن میں ان لوگوں کو جو جنگ میں شریک نہیں یا جو دشمنوں میں کمزور ہیں اور اپنا دفاع نہیں کر سکتے جیسے خواتین، بچے، بوڑھے لوگ اور ایسے لوگ بھی جو محض سپاہیوں کے لیے مزدوروں کا کام کر رہے ہیں اور جنگ میں شریک نہ ہوں، ان کو مارنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ کے اسوہ پر پورا پورا عمل کیا جائے کہ قیدیوں سے نہایت عمدہ اور انسانی سلوک کیا جائے اور پھر آخرکار ان کو آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے لوگوں سے جاملیں۔

اسلام میں اس بات کی اجازت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں اور نہ اجازت ہے کہ خفیہ انداز میں اسلامی گروپ بنا کر جہاد کا اعلان کر دیا جائے۔ اور ایسے جہاد کو اس انداز میں کرنا کہ بلاامتیاز عام لوگوں پر تشدد کیے جائیں یا ان کو غلام بنا لیا جائے۔ ایسے سارے طریقے انتہائی خوفناک اور قرآن اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

شہادت

اسلام میں شہادت

اسلامی لٹریچر میں اللہ کی راہ میں جان دینے والے کو شہید کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی گواہ کے ہیں اور عام طور پر قرآن مجید میں کسی شے کی گواہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی بار بار قرآن مجید میں شہید کہا گیا ہے ''سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ بس ہے'' (۲۹:۱۰)۔ رسول اکرم صلعم کو اپنے ماننے والوں کے لیے بطور گواہ کہا گیا ہے اور مسلمانوں کو تمام انسانیت کے لیے گواہ کہا گیا ہے۔ (۲:۱۴۳) یعنی سچائی کی گواہی دینے والے۔ ہر ایک نبی بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پیروکاروں پر گواہ کے طور پر کہا گیا ہے (۴:۴۱، ۵:۱۱۷)۔ یہی لفظ معاہدوں اور سماجی معاملات میں گواہوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اسی طرح شھد کا لفظ شہادت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں کسی چیز یا واقعہ کی گواہی جو کہ نہایت واضح اور دیکھی گئی ہو کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں قرآن مجید میں فرمایا: ''گواہی کو مت چھپاؤ'' (۲:۲۸۳) ایک اور جگہ فرمایا: ''سو وہ اللہ کی قسم کھالیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے'' (۵:۱۰۷)۔ اور پھر یہ بیان بار بار اللہ تعالیٰ کے بارے میں قرآن مجید میں درج ہے'' وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے'' (۶:۷۳)۔ یہ لفظ گواہی کے معنوں میں کسی بات یا تحریر کی گواہی کے لیے بھی عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ شہادت کے اقرار کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب کوئی اسلام قبول کرتا ہے۔ اور انگریزی میں بھی ہم ''شہادت'' دینے کے الفاظ سنتے ہیں جب شہادت دینے کی کوئی بات ہوتی ہے۔ یہ الفاظ شہادت اور شہید ہونے والوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں کیوں کہ ایسا شخص اپنی زندگی اور موت سے اسلام کی سچائی کی شہادت دیتا ہے۔ لیکن شہید کون ہے؟

(باقی آئندہ شمارہ میں)

(بر موقع برسی، 14 اکتوبر)

حضرت ڈاکٹر اصغر حمید امیر چہارم

ترتیب وتدوین : سید ناصر احمد

ڈاکٹر اصغر حمید صاحب 1919ء میں لاہور میں پیدا ہوئے پرائمری اور ثانوی تعلیم اپنے آبائی شہر امرتسر میں حاصل کی۔ MAO ہائی سکول، امرتسر سے 1933ء میں میٹرک پاس کیا۔ وہیں سے FSc پاس کر کے گورنمنٹ کالج، لاہور میں داخلہ لیا۔ 1937ء میں حساب میں آنرز کرنے کے ساتھ ڈگری حاصل کی اور 1939 میں پنجاب یونیورسٹی سے حساب میں MA کیا۔ آپ انجینئرنگ کالج لاہور میں حساب کی لیکچرر تعینات ہوئے۔ اور یہیں سے برطانیہ کی ایڈنبرا یونیورسٹی سے حساب میں Ph.D کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

1947 میں آپ نے Ph.D مکمل کیا۔ 1916 میں جب انجینئرنگ کالج لاہور کو یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا تو آپ کو شعبہ حساب کا Dean مقرر کیا گیا۔ اور اس عہدہ پر آپ نے 1979 تک کام کیا۔ اپ پاکستان میں آپ کے لاتعداد شاگرد بہت اہم عہدوں پر فائز ہیں اور وطن کی خدمت کر رہے ہیں۔

ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی زندگی خدمت سلسلہ احمدیہ کے لیے مکمل طور پر وقف کر دی۔ درس قرآن، خطبہ جمعہ اور پیغام صلح کے لئے لکھنا ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ آپ نے مجدد دوران مسیح موعودؑ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی تصنیف ''کتاب البریہ'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں میں پائے جانے والے عربی الفاظ اور اردو اصطلاحات کے انگریزی ترجمہ کی ایک گائیڈ لغت ترتیب دی۔ تاکہ حضرت مسیح موعودؑ عربی کتب کو سمجھنے اور ان کو انگریزی میں آسانی ہو۔ درس قرآن میں وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تفسیر کو نہایت خوبی سے پیش کرتے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ امیر سوئم کے وصال کے بعد 1996 میں جماعت کے امیر منتخب ہوئے۔ آپ نے انتہائی نازک حالات میں جماعت کی بھاگ ڈور سنبھالی اور 6 سال تک خون جگر سے جماعت کی رہنمائی کی۔

قرآن کریم، سنت نبوی ﷺ اور احادیث مبارکہ سے ہر لحہ اور ہر آن رہنمائی حاصل کرنے کا نہ صرف مشورہ دیتے تھے بلکہ خود بھی ہر لحہ انہی کی روشنی میں فیصلے کرتے اور زندگی گزارتے۔ اور یہی ان کی کامیاب زندگی کا راز تھا۔ قرآن پاک اور حدیث کا مطالعہ کثرت سے کرتے تھے۔ جو بھی ان سے ملنے جاتا ان کے وسعت علم سے فیض یاب ہوتا۔ آپ کو جماعت کی مضبوطی، ترقی کی اس قدر فکر تھی کہ یہی ایک موضوع وہ اکثر احباب کے سامنے رکھتے اور سلسلہ کی ترقی کے لیے دن رات کوشاں رہتے اور دوسروں کو کوشاں رہنے کی تلقین کرتے۔

آپ نہایت صاف گو اور مخلص دوست تھے۔ درگذر کرنا اور معاف کر دینا آپ کا شیوہ تھا۔ دوستوں کو ان کی زیادتیوں کے باوجود نیکی اور ہمدردی اور خیر خواہی سے پیش آنا۔ دامے درمے ان کی مدد کرنا، ان کی شخصیت کی وہ خصوصیات ہیں جن کی غیر از جماعت دوست بھی معترف تھے احباب جماعت، چاہنے والوں اور شاگردوں کو اُن کی کمی عرصہ دراز تک محسوس کی جائے گی۔

اندرون ملک کے علاوہ بیرونی جماعتوں امریکہ، یورپ، جرمنی، پولینڈ، فرانس، ہالینڈ، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، کینیڈا، انڈونیشیا، فجی گیانا، غرضیکہ تمام جماعتوں میں بے حد مقبول تھے اور ہر دینی اور جماعتی معاملہ میں وہ آپ کی رہنمائی اور فیصلہ کے منتظر رہتے تھے۔ آپ کی قائدانہ صلاحیتوں اور بصیرت کی وجہ سے ہی بیرونی جماعتوں سے مرکز کے رابطے اور تعلقات مضبوط ہوئے۔

یہ جہاں سرائے فانی ہے۔ یہاں کسی کو دوام نہیں، احمدیہ انجمن لاہور کے چوتھے امیر اور صدر حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب 14 اکتوبر 2002 کو 3:00 بجے صبح اپنے معبود حقیقی سے جاملے۔ یہ خبر آناً فاناً اندرون ملک کی تمام جماعتوں اور بیرون ملک تمام شاخوں میں پہنچ گئی اور جماعت کے تمام احبابِ وخواتین میں غم واندوہ، اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی۔

سات سال گزرنے کے بعد بھی حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کی علم دوستی اور شفقت کی یادیں آج بھی آنکھوں کو نمناک کر دیتی ہیں۔

☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔